مذہبی صحائف میں ایمان وعمل کا تصور
ایک تقابلی مطالعہ

الطاف احمد اعظمی

زیر نظر مضمون میں دنیا کے تین بڑے مذہبی صحائف، قرآن، تورات اور انجیل میں مذکورہ ایمان وعمل کے تصورات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کی غرض یہ دکھانا ہے کہ ان ادیان ثلاثہ کے بنیادی تصورات اور اساسی اعمال میں کوئی بنیادی فرق نہیں ، فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے۔لیکن اس کے باوجود مذاہب کے ماننے والوں میں شدید اختلافات ہیں، اور ان کی بنیاد پر اکثر مذہبی نزاعات واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اس اختلاف کے ذمہ دار دراصل مذہبی پیشوا ہیں جنہوں نے دین کے کلیات کی غلط تاویل وتشریح کر کے خدا کے دین کی وحدت کو ختم کر دیا ہے، جیسا کہ اگلے صفحات سے معلوم ہوگا۔

قرآن کا تصور ایمان وعمل

اسلام آخری دین ہے اور اس کی بنیادی کتاب قرآن غیر محرف صورت میں موجود ہے۔ اس لئے ہم سب سے پہلے اسی کتاب کے تصور ایمان وعمل کا جائزہ لیں گے۔

ایمان کے اصل لغوی معنی امن دینے کے ہیں لیکن صدیوں کے استعمال سے اس کے معانی کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے، چنانچہ اب یہ تصدیق ، اقرار وتسلیم اور اعتماد وایقان کے معنوں میں مستعمل ہے۔ علامہ حمید الدین فراہی نے اس کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' ایمان کی اصل امن ہے۔ ایمان کے معنی اعتماد کے ہیں۔ اسی سے امن بہ ہے جس کے معنی ہیں صدقہ وایقن بہ۔ ایمان اور ایقان میں فرق ہے۔ ایمان تصدیق وتسلیم کو کہتے ہیں اور اس کی ضد تکذیب ، جحود اور کفر ہے۔ اور ایقان کی ضد ظن اور شک ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس نے یقین کیا اس نے تصدیق بھی کی بلکہ بسا اوقات آدمی تکبر اور جوش مخالفت میں اس چیز کی بھی تکذیب کر دیتا ہے جس کا اس کو یقین ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی حکایت میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: ١٣۔١٤) پس جب ان کے پاس ہماری آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں آئیں تو انہوں نے کہا، یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔'' اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جو ایمان لایا اسے یقین بھی حاصل ہوگیا۔ کبھی آدمی غلبۂ ظن کی حالت میں ایمان لاتا ہے پھر خدا کی توفیق سے وہ حالت ظن سے نکل جاتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایمان، ایقان ہی سے کامل ہوتا ہے۔ تو گویا ایمان کے دو جزو ہیں، علم اور تسلیم، اور ان دونوں کے کامل ہونے سے ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ امن له ، اذعن لقوله، امنه، اعطاه الامنه۔ یہی اصل لغوی معنی ہیں۔ عبرانی میں یہ لفظ قدیم الاستعمال ہے۔ امن کے معنی صدق واعتماد کے ہیں اور اسی سے ایمان وتصدیق کے الفاظ نکلے ہیں اور اسی سے آئین کا لفظ بھی نکلا ہے جس کے معنی تصدیق کے ہیں۔ قرآن مجید نے ہم کو اس کی فروعات سے بھی آگاہ کیا یعنی یہ کہ ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ اللہ پر توکل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (الانفال: ٢)'' اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ انکے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔'' اسی طرح ایمان جزم واعتقاد سے عبارت ہے اس لئے لازماً وہ صاحب ایمان کو عمل کے لئے اکساتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (البقرہ: ٣)''[1]

ایمان کا لفظ جب اصطلاحاً استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب چند بنیادی امور کو صدق دل سے تسلیم کرنا ہے۔ ان بنیادی امور کا ذکر قرآن کی مختلف سورتوں میں ہوا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍمِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ: ٢٨٥)

'' جو کچھ اللہ کی طرف سے اس کے رسولوں کے پاس بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان رکھتا ہے اور مومنین بھی سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم رسولوں میں کوئی فرق وامتیاز نہیں کرتے۔''

١۔ عبد الحمید الفراہی، مفردات القرآن مطبع اصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ١٣٥٨ھ، ص ٢٨، ٢٩

دوسری جگہ فرمایا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (سورہ البقرہ:۱۷۷)

''نیکی اس کا نام نہیں کہ تمہارا رخ مشرق کی طرف ہو یا مغرب کی طرف، بلکہ اللہ ۔، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر... ایمان رکھنا ہی اصل نیکی ہے۔''

یہ بنیادی امور (اجزائے ایمان) دراصل تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت☆ ۔ کتب سماویہ اور ملائکہ پر ایمان، ایمان بالرسل کا جز ہے کیوں کہ رسالت پر ایمان اسی صورت میں مکمل ہوگا جب ان دو متعلقہ امور پر بھی ایمان لایا جائے۔

احادیث میں ایمان بالقدر کو بھی اجزائے ایمان میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ فی الواقع ایمان باللہ کا جز ہے اسی لیے قرآن مجید میں اس کو ایک علیحدہ جز کی حیثیت سے بیان نہیں کیا گیا ہے۔

ایمان کے بنیادی اجزاء کے حقیقی مفہوم کو متعدد آیات میں نہایت واضح الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں صرف تین آیتیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے بالترتیب توحید، رسالت اور آخرت کا مفہوم بالکل واضح ہوجائے گا۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۱)

''اور کہہ دو کہ ہر حمد وستائش اس اللہ کے لئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائی بیان کرو۔''

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

(اعراف: ۱۸۸)

''کہہ دو کہ میں خود اپنے نفع ونقصان کا مطلق اختیار نہیں رکھتا۔ سب کچھ اللہ کی مشیعت کے تابع ہے۔ اگر میں غیب کا علم رکھتا تو خیر کثیر جمع کرلیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچتا۔ میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لائیں۔''

☆شیعہ اثنا عشری جماعت کے عقیدہ کے بموجب عدالت الٰہی اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت بھی اصول دین مبین اسلام کا بنیادی حصہ ہے۔

وَمَا اَدْرَاكَ مَايَوْمُ الدِّيْنِ ،ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ مَايَوْمُ الدِّيْنِ.يَوْمَ لاَ تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ، (سورہ انفطار : ۱۷ تا ۱۹)

تمہیں کیا معلوم کہ روز جزا کیا ہے ، ہاں تمہیں کیا معلوم کہ روز جزا کیا ہے۔ روز جزا وہ ہے کہ جس دن کوئی آدمی کسی آدمی کے کچھ کام نہ آسکے گا اور جس دن فیصلہ کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔''

عمل جزو ایمان ہے

ایمان کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ اقرار زبان کا نام ہے۔ یعنی جس نے زبان سے اجزائے ایمان کا اقرار کرلیا وہ مومن ہے، اعمال اس میں داخل نہیں ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ایمان یعنی تصدیق کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی دل کے پورے یقین کے ساتھ اجزائے ایمان کو تسلیم کرے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جن امور کی صداقت کو قلب ودماغ نے تسلیم کرلیا ہے اس کا زبان سے بھی اقرار کیا جائے، اور تیسرا درجہ سمع وطاعت کا ہے، یعنی زبان سے اقرار ایمان کے بعد خدا اور اس کے رسول کے احکام پر حتی المقدور عمل بھی کیا جائے۔ ان تین درجات سے گزرنے کے بعد ہی ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ جو شخص زبان سے اقرار ایمان کے بعد اسکے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا وہ قرآن کے نزدیک مومن نہیں ہے۔ مثلا ایک جگہ فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ:

(سورہ بقرہ۔ ۸)

'' کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو(زبان سے) اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں حالاں کہ وہ مومن نہیں ہیں۔''

اس آیت میں جن لوگوں کو زبان سے اقرار ایمان کے باوجود مومن تسلیم نہیں کیا گیا۔ وہ یہودیوں کا ایک گروہ تھا اس نفی ایمان کی وجہ ان کے اعمال تھے جو اس بات کی کھلی شہادت دیتے تھے کہ ان کا دعوائے ایمان محض زبانی ہے۔

اس سلسلے میں اہل ایمان کا جو وصف بیان کیا گیا ہے وہ ان کے قول وفعل کا تطابق ہے۔ وہ زبان سے دین کے جن اصولوں (ایمان) کی صداقت کا اعتراف کرتے ہیں ان کے لازمی تقاضوں پر حتی الوسع عمل بھی کرتے ہیں، بالفاظ دیگر ان کی زندگیاں سمع وطاعت سے مزین ہوتی ہیں ،

فرمایا گیا ہے:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا أُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ نور: ۵۱)

"جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو اہل ایمان کی صدا یہی ہوتی ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ یہی لوگ فی الواقع کامیاب وبامراد ہیں۔"

اس آیت سے بالکل واضح ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ سمع وطاعت کا معاملہ ہو۔اس سمع وطاعت کا دائرہ وسیع ہے۔ اقامت صلوۃ اور زکوۃ کی ادائگی (انفاق) کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مثلا ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (سورہ مائدہ:۵۵)

"بے شک تمہارا حامی وناصر تو بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

طٰسٓ تِلْكَ آيٰتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ • هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ • الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ •.(سورہ نمل : ۱۔۳)

"طٰسٓ یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں، ہدایت اور بشارت ہے ان مومنین کے لئے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔"

قرآن نے یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ روز آخرت نجات کا مدار نہ صرف ایمان پر ہے اور نہ صرف اعمال پر بلکہ اسکے لئے دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ مثلا ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ.

(سورہ بقرہ : ۲۵)

"اور خوش خبری دے دو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ بے شک ان کے لئے (جنت کے) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔"

دوسری جگہ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ:(سورہ رعد:۲۹)

''جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لئے خوش حالی اور نیک انجامی ہے۔''

اوپر کی آیات میں اچھے کاموں کے لئے عمل صالح کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اس کا صحیح مفہوم جان لینا ضروری ہے ۔لفظ صالح ، صلاح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اسی سے اصلاح کا لفظ مشتق ہے۔قرآن نے اس کے بالمقابل جو لفظ استعمال کیا ہے وہ فساد ہے:

وَلَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا(سورہ اعراف۔۵۶)

''زمین میں اصلاح کے بعد فساد پیدا نہ کرو۔''

فساد کے اصل معنی عدل وقسط کی راہ چھوڑ دینے کے ہیں اس لیے لازماً صلاح کے معنی عدل وقسط یا دوسرے لفظوں میں اعتدال وتوازن کی راہ پر قائم رہنے کے ہوئے۔قرآن نے جہاں اصلاح کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اس حقیقت کو کھول دیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے۔

فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا(سورہ حجرات:۹)

''پس اگر وہ (یعنی زیادتی کرنے والا گروہ) باز آجائے تو ان دونوں کے معاملات کو عدل کے ساتھ درست کردو اور (دیکھو) اس صلح وصفائی میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔''

صلاح اور اصلاح کے اس مفہوم کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ ہر وہ اچھا کام عمل صالح ہے جو عدل وقسط یعنی اعتدال وتواسط کے دائرے میں رہ کر کیا جائے اور ہر وہ کام جو اعتدال وتواسط کی حدود سے متجاوز ہو، عمل غیر صالح ہے، خواہ وہ عمل بجائے خود کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ اسراف وتبذیر کو قرآن نے شیطانی عمل قرار دیا ہے (بنی اسرائیل:۲۶) اس لئے کہ مال خرچ کرنے کی دو انتہائی حالتیں ہیں حالاں کہ فی نفسہ مال خرچ کرنا ایک فعل محمود ہے۔ اسی طرح اس نے بخل کو اچھا عمل نہیں کہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بخل وکنجوسی مال خرچ نہ کرنے کی یہ ایک انتہائی حالت کا نام ہے۔ یہاں ملحوظ رہے کہ روز آخرت صرف وہی عمل صالح مستحق اجر قرار پائے گا جو صرف خدا کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے کیا گیا ہو۔

ایمان اور عمل صالح میں اسی نوع کا ربط وتعلق پایا جاتا ہے جو ایک درخت کی جڑ اور اس کے تنے اور شاخوں کے درمیان ہوتا ہے ۔ ایک اچھے درخت کی پہچان یہ ہے کہ اس کی جڑیں زمین کی

گہرائی میں پیوست ہوں اور اس کے تنے اور اس کی شاخیں فضا کی پہنائیوں میں کھلی ہوئی ہوں۔ اگر درخت کی جڑ موجود ہے لیکن اس میں تنے اور شاخیں نہ ہوں تو اس پر درخت کا اطلاق نہیں ہوگا اور اس کا وجود مخلوق خدا کے لئے بے فائدہ ہے۔ اور اگر جڑ ہی موجود نہ ہو تو پھر درخت کے تنے اور اس کی شاخوں کا وجود بھی ناممکن ہے۔ بالکل یہی معاملہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔ ایمان کے بغیر عمل صالح اور عمل کے بغیر حقیقی ایمان کا تصور ممکن نہیں ہے۔

جزا وسزا

اعمال کی جزا وسزا کے تصور کو قرآن میں ایک سے زیادہ آیات میں پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اچھے اعمال کی ایک جزا تو وہ ہے جس کا تعلق مادی دنیا سے ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ صاحب ایمان کو اس دنیا میں پاکیزہ زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرے گا۔ فرمایا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (سورہ نحل: ۹۷)

جو شخص کوئی اچھا کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی کی گزارنے کا سامان عطا کریں گے۔"

یہ انفرادی معاملہ ہے۔ اہل ایمان کی جماعت کو جو دنیوی جزا ملتی ہے وہ قومی عزت واقبال ہے۔ قرآن میں اس کو استخلاف فی الارض کہا گیا ہے یعنی زمینی خلافت۔ ارشاد ہوا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورہ نور: ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اور اچھے عمل کریں گے ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں کو خلافت عطا کی ہے۔"

آج کل مسلمانوں کے ذہن سے اس دنیوی جزا کا تصور تقریباً نکل چکا ہے اور ان کی ایک بڑی تعداد جس میں علماء اور عوام دونوں شامل ہیں، عیسائیوں کی "آسمانی بادشاہت" پر راضی ہو چکی ہے اور اس کے حصول کے لئے انہی راہوں میں گامزن ہے جن میں کبھی عیسائی سرگرم سفر رہ چکے ہیں۔ کچھ لوگ بلاشبہ "آسمانی بادشاہی" کے ساتھ "زمینی بادشاہی" کی بات بھی کرتے ہیں لیکن انہوں نے اس کے حصول کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے زمینی بادشاہی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی اور نہ

آئندہ اس کے حصول کا امکان دکھائی دیتا ہے۔

اس زمینی بادشاہی کے حصول کا جو راستہ قرآن مجید نے بتایا ہے اسی راستے پر چل کر اسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اوپر استخلاف فی الارض سے متعلق جو آیت نقل کی گئی ہے ٹھیک اس سے متصل آیات میں خلافت کے استحقاق کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوا ہے۔

يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (نور: ۵۵.۵۶)

"میری اطاعت وبندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں گے۔(یعنی میری اطاعت میں غیر خدا کو ذرہ برابر بھی شریک نہ کریں) اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کی روش اختیار کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں اور (اے مسلمانوں!) نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

ان آیات کے مطابق اہل ایمان کے لئے دنیوی حکومت کا حصول درج ذیل شرائط پر منحصر ہے:

(۱) خدا کی مکمل اطاعت جس میں غیر اللہ کی اطاعت کا ادنیٰ شائبہ نہ ہو۔

(۲) اقامتِ صلوٰۃ

(۳) ایتائے زکوٰۃ۔

(۴) اطاعت رسول

انہی شرائط کی تکمیل کے بعد صدر اوّل کے مسلمانوں کے ساتھ وعدۂ الٰہی پورا ہوا اور وہ ایک عظیم الشان زمینی بادشاہی کے مالک بنے اور آج انہی شرائط کی عدم تکمیل کی وجہ سے مسلمان نہ صرف اس نعمت خداوندی سے محروم ہیں بلکہ بہت سی جگہوں پر کفار ومشرکین کے غلام بن کر ذلت ونکبت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

توحید کے اس تصور کے ساتھ دوسری چیز جو ہم کو تورات میں ملتی ہے وہ احکام وآئین کا اتباع ہے۔ یہودیوں سے صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ خدا کے احکام وقوانین کا سچے دل سے اتباع کریں گے تو وہ ان کی اولاد کے لطف وکرم سے سرفراز ہوں گے، اور اگر خدا کے حکموں کو توڑیں گے اور سرکشی وشرک میں مبتلا ہوں گے تو اس کا قہر وغضب ان پر نازل ہوگا اور وہ پست وذلیل ہوں گے۔ کتاب استثناء میں فرمایا گیا ہے:

'' اور جب تم مجھ سے گفتگو کر رہے تھے تو خداوند نے تمہاری باتیں سنیں تب خداوند نے مجھ سے کہا کہ میں ان لوگوں کی باتیں جو انہوں نے تجھ سے کہیں، سنی ہیں۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے ٹھیک کہا۔ کاش ان میں ایسا ہی دل ہوتا کہ وہ میرا خوف مان کر ہمیشہ میرے سب حکموں پر عمل کرتے تا کہ سدا ان کا اور ان کی اولاد کا بھلا ہوتا۔''[۲]

ایک دوسرے موقع پر کہا گیا ہے:'' اور تو اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت خداوند اپنے خدا کا خوف مان کر ان کے تمام آئین اور احکام پر جو میں تجھ کو بتاتا ہوں زندگی بھر عمل کرنا تا کہ تیرا بھلا ہو اور تم خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کے وعدہ کے مطابق اس ملک میں جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے، نہایت بڑھ جاؤ۔''[۳]

اسی طرح استثناء باب ۷ میں فرمایا:'' اس لئے جو فرمان اور آئین اور احکام میں آج کے دن تجھ کو دیتا ہوں ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اور تمہارے ان حکموں کو سننے اور ماننے اور ان پر عمل کرنے کے سبب سے خداوند تیرا خدا بھی تیرے ساتھ اس عہد اور رحمت کو قائم رکھے گا جن کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی اور تجھ سے محبت رکھے گا اور تجھ کو برکت دے گا اور بڑھائے گا۔''[۴]

یہ بھی فرمایا:'' اور تو اپنے دل میں خیال رکھنا کہ جس طرح آدمی اپنے بیٹے کو تنبیہ کرتا ہے ویسے ہی خداوند تیرا خدا تجھ کو تنبیہ کرتا ہے۔ سو تو خداوند اپنے خدا کی راہوں پر چلنا اور اس کا خوف مان کر اس کے سب حکموں پر چلنا۔''[۵]

تورات کے وہ احکام جو احکام عشرہ کے نام سے مشہور ہیں ان کی تفصیل کتاب خروج میں اس طرح ہے:'' میں خداوند تیرا خدا ہوں جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا۔ تو میرے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنانا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیوں کہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں میں ان کے گناہوں کی سزا ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی نسل تک لیتا ہوں، اور جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میرے حکموں پر چلتے ہیں میں ان سے محبت کرتا ہوں، ہزار نسلوں تک لطف و محبت کے ساتھ۔ تم خداوند اپنے خدا کی قسم فضول نہ کھانا کیوں کہ خدا فضول اور جھوٹی قسمیں کھانے والے کو بغیر سزا کے

۲۔ استثناء، باب ۵: ۲۸، ۲۹۔ ۳۔ ایضاً، باب ۶: ۲، ۳۔ ۴۔ ایضاً، باب ۷: ۱۱ تا ۱۳۔ ۵۔ ایضاً، باب ۸: ۵۔۶۔

نہیں چھوڑتا۔ سبت کے دن کا احترام کرو۔ تم چھ دن اپنے سب کام اور خدمت کرو، لیکن ساتواں دن خدا کا دن ہے اس دن تم کوئی کام نہ کرو اور نہ ہی تمہارے لڑکے لڑکیاں، تمہارے غلام، تمہاری لونڈیاں اور نہ ہی تمہارے گھریلو جانور اور نہ وہ اجنبی جو تمہارے یہاں مقیم ہو، چھ دنوں میں خداوند نے زمین اور آسمانوں کو اور سمندروں کو اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا اور ساتویں دن اس نے آرام کیا، تم کسی کو قتل نہ کرو، زنا نہ کرو، چوری نہ کرو، جھوٹی گواہی نہ دو اپنے ساتھی کے خلاف، تم اپنے پڑوسی کے گھر، اس کی بیوی، اس کی لونڈی وغلام، اس کے بیل بھیڑوں میں سے کسی چیز کی بھی خواہش نہ کرو۔[۶]"

یہی وہ احکام ہیں جو لوح موسیٰ پر کندہ تھے اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ کو عطا کیے گئے تھے اور بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ ان سے سرمو انحراف نہ کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت سخت الفاظ میں اپنی قوم کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" لعنت اس آدمی پر جو کاریگری کی صنعت کی طرح کھودی ہوئی یا ڈھالی ہوئی مورت بنا کر جو خداوند کے نزدیک مکروہ ہے، اس کو کسی پوشیدہ جگہ پر نصب کرے، اور سب لوگ جواب میں کہیں آمین، لعنت اس پر جو اپنے ماں یا باپ کو حقیر جانے اور سب لوگ کہیں آمین لعنت اس پر جو اندھے کو راستے سے گمراہ کرے اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو پردیسی کے مقدمہ کو بگاڑے اور سب لوگ کہیں۔ آمین، لعنت اس پر جو کسی چوپائے کے ساتھ جماع کرے اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو اپنی بہن کے ساتھ مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو اور خواہ ماں کی، اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو اپنی ساس کے ساتھ مباشرت کرے اور سب لوگ کہیں آمین، لعنت اس پر جو بے گناہ کو قتل کرے اور انعام لے اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو شریعت کی ان باتوں پر عمل کرنے کے لئے ان پر قائم نہ رہے اور سب لوگ کہیں آمین۔[۷]

تورات میں اعمال کی جزا وسزا کا تصور خالص دنیوی ہے۔ احکام کے ذکر میں اس کی چند مثالیں گزر چکی ہیں، ایک اور عبارت ملاحظہ ہو: " اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اس کے سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھے سزا وار کرے گا اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات سنے تو یہ سب

۶۔ خروج، باب ۲۰: ۱ تا ۱۷۔ ۷۔ استثناء باب ۲۷: ۱۵ تا ۲۶۔

برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی، شہر میں بھی تو مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک ہوگا۔ تیری اولاد اور تیری بھیڑ بکریوں کے بچے مبارک ہوں گے ۔ تیرا ٹوکرا اور تیری کٹھوتی دونوں مبارک ہوں گے ۔ خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں تیرے روبرو شکست دلائے گا وہ تیرے مقابلہ کو تو ایک ہی راستے سے آئیں گے مگر تیرے آگے سات سات راستوں سے بھاگیں گے۔ خداوند تیرے انبار خانوں میں اور سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگائے گا برکت دے گا، اگر تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو مانے اور اس کی راہوں پر چلے تو خداوند اپنی قسم کے مطابق جو اس نے تجھ سے کھائی، تجھ کو اپنی پاک قوم بنا کر رکھے گا۔ اور دنیا کی سب قومیں یہ دیکھ کر کہ تو خداوند کے نام سے کہلاتا ہے تجھ سے ڈر جائیں گی۔[۸]"

مزید فرمایا: "لیکن اگر تو خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن تجھ کو دیتا ہوں عمل نہ کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی لعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی تو لعنتی ہوگا تیرا ٹوکرا اور تیری کٹھوتی دونوں لعنتی ٹھہریں گے۔ تیری اولاد اور تیرے زمین کی پیداوار اور تیری گائے بیل کی بڑھتی اور تیری بھیڑ بکریوں کے بچے لعنتی ہوں گے ۔ تو اندر لعنتی ٹھہرے گا اور باہر جاتے بھی لعنتی ٹھہریگا خداوند ان سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے گا لعنت، اضطراب اور پھٹکار کو تجھ پر نازل کرے گا جب تک کہ تو ہلاک ہو کر نیست و نابود نہ ہو جائے۔ یہ تیری ان بداعمالیوں کے سبب ہوگا جن کو کرنے کی وجہ سے تو مجھ کو چھوڑے گا۔ خداوند ایسا کرے گا کہ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی جب تک کہ وہ تجھ کو اس ملک سے جس پر قبضہ کرنے کو تو وہاں جا رہا ہے، فنا نہ کر دے۔ خداوند تجھ کو تپ دق، بخار سوزش اور شدید حرارت اور تلوار اور بادسموم اور گیروئی سے مارے گا، اور یہ تیرے پیچھے پڑے رہیں گے جب تک کہ تو فنا نہ ہو جائے اور آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی ۔ خداوند مینہ کے بدلے تیری زمین پر خاک اور دھواں برسائے گا۔ یہ آسمان سے تجھ پر پڑتی رہیں گی جب تک کہ تو ہلاک نہ ہو جائے ۔خداوند تجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائے گا، تو ان کے مقابلے کے لئے تو ایک ہی راستہ سے جائے گا اور ان کے سامنے سے سات سات راستوں سے بھاگے گا اور دنیا کی تمام قوموں اور سلطنتوں میں تو مارا مارا پھرے گا۔ اور تیری لاش ہوا کے پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک

۸۔ ایضاً، باب ۲۸: ۱۵ تا ۴۵

ہوگی اور کوئی ان کو ہنکا کر بھگانے کو بھی نہ ہوگا۔ خداوند تجھ کو مصر کے پھوڑوں بواسیر کھجلی اور خارش میں ایسا مبتلا کر دے گا کہ تو کبھی اچھا نہ ہوگا۔ خداوند تجھ کو جنون، نابینائی اور دل کی گھبراہٹ میں مبتلا کرے گا اور جیسے اندھا اندھیرے میں ٹٹولتا ہے ویسے ہی تو دوپہر دن میں ٹٹولتا پھرے گا اور تو اپنے سب دھندوں میں ناکام رہے گا اور تجھ پر ہمیشہ ظلم ہی ہوگا اور تو لٹتا ہی رہے گا، اور کوئی نہ ہوگا جو تجھ کو بچائے، عورت سے تو منگنی کرے گا لیکن دوسرا اس سے مباشرت کرے گا، تو گھر بنائے گا لیکن اس میں بسنے نہ پائے گا تو تاکستان لگائے گا پر اس کا پھل استعمال نہ کرے گا۔ تیرا بیل تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائے گا پر تو اس کا گوشت نہ کھانے پائے گا۔ تیرا گدھا تجھ سے جبری چھین لیا جائے گا اور تجھ کو پھر نہ ملے گا۔ تیری بھیڑیں تیرے دشمنوں کے ہاتھ لگیں گی اور کوئی نہ ہوگا جو تجھ کو بچائے۔ تیری بیٹیاں اور بیٹے دوسری قوموں کو دی جائیں گے اور تیری آنکھیں دیکھیں گی اور سارے دن ان کے لئے ترستی رہ جائیں گی اور تیرا کچھ بس نہ چلے گا۔ تیری زمین کی پیداوار اور تیری ساری کمائی کو ایک ایسی قوم کھائے گی جس سے تو واقف نہیں اور تو سدا مظلوم اور دبارے گا۔ یہاں تک کہ ان باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دیوانہ ہو جائے گا۔ خداوند تیرے گھٹنوں اور ٹانگوں میں ایسے پھوڑے پیدا کرے گا کہ تو ان سے پاؤں کے تلوؤں سے لے کر سر کی چاندی تک شفا نہ پا سکے گا خداوند تجھ کو اور تیرے بادشاہ کو جسے تو اپنے اوپر مقرر کرے گا، ایک ایسی قوم کے بیچ لے جائے گا جسے تو اور تیرے باپ دادا جانتے بھی نہیں، اور وہاں تو اور معبودوں کی، جو محض لکڑی اور پتھر ہیں، عبادت کرے گا اور ان سب قوموں میں جہاں جہاں خداوند تجھ کو پہنچائے گا تو باعث حیرت، ضرب المثل اور انگشت نما بن جائے گا۔ تو کھیت میں بہت سا بیج لے جائے گا لیکن تھوڑا سا جمع کرے گا کیوں کہ ٹڈی اسے چاٹ لے گی۔ تو تاکستان لگائے گا اور ان پر محنت کرے گا لیکن نہ تو اسے پینے پائے گا اور نہ انگور جمع کرنے پائے گا کیوں کہ ان کو کیڑے کھائیں گے۔ تیرے سب حدود میں زیتون کے درخت لگے ہوں گے پر تو ان کا تیل نہیں کھانے پائے گا کیوں کہ تیرے زیتون کے درختوں کا پھل جھڑ جائے گا تیرے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوں گی پر وہ سب تیرے نہ رہیں گے کیوں کہ وہ اسیر ہو کر چلے جائیں گے۔ تیرے سب درختوں اور تیری زمین کی پیداوار پر ٹڈیاں قبضہ کر لیں گی پردیسی جو تیرے درمیان ہوگا وہ تجھ سے بڑھتا اور سرفراز ہوتا جائے گا پر تو پست ہوتا جائے گا۔ وہ تجھ کو قرض پر قرض دے گا لیکن اسے قرض نہ دے سکے گا وہ سر ہوگا اور تو دم ٹھہرے گا۔ اور چوں کہ خداوند اپنے

خدا کے ان حکموں اور آئین پر جن کو اس نے تجھ کو دیا ہے عمل کرنے کے لئے اس کی بات نہیں سنے گا اس لئے یہ سب لعنتیں تجھ پر آئیں گی اور تیرے پیچھے پڑیں گی اور تجھ کو لگیں گی جب تک تیرا ستیا ناس نہ ہو جائے۔۹''

ان تمام خدائی تنبیہات کے باوجود یہودی قوم اپنی تاریخ کے ہر دور میں خدا کی نافرمانی کرتی رہی ہے ہرمیاہ نبی فرماتے ہیں: ''میں تجھے کیوں کہ معاف کروں۔ تیرے فرزندوں نے مجھے چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں۔ جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے ۔ ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے ۔کیا میں ان باتوں کے لئے ان کو سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی۔۱۰''

اناجیل میں ایمان وعمل کا تصور

اناجیل میں ایمان وعمل کا ذکر تورات کی ابتدائی پانچ کتابوں کے مقابلے میں قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔توحید کا تصور کچھ دھندلا ہے۔ اور اسکی وجہ باپ اور بیٹے کے الفاظ ہیں۔لیکن جن مقامات پر یہ الفاظ آئے ہیں ان کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے توحید کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً متی میں ہے:

'' پھر ابلیس اسے ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان وشوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا: اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے بخش دوں گا یسوع نے اس سے کہا: اے شیطان دور ہو کیوں کہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدا کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔۱۱''

یوحنا میں ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے، جانیں ۱۲''

اناجیل میں آج بھی ایسی متعدد عبارتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کو ایک بشر سمجھتے تھے اور ایک نبی کی حیثیت سے اپنے اسی آپ کو پیش کرتے تھے اور اسی چیز

۹۔ ایضا، باب ۲۹: ۱۵ تا ۴۵ ۱۰۔ یرمیاہ: باب ۵: ۷ تا ۹، ۱۱۔ متی، باب ۴: ۸ تا ۱۱، ۱۲۔ یوحنا، باب ۱۷: ۳،۴،

پر لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

''اس وقت یسوع نے کہا، اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔ میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہئے۔ اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو! سب میرے پاس آؤ تم کو میں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو اور مجھ سے سیکھو، کیوں کہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن، تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی۔ کیوں کہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا۔ ۱۳''

ایک دوسرے مقام پر صاف لفظوں میں مسیح علیہ السلام کا یہ اعتراف موجود ہے۔'' یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔ ۱۴''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ خود کو ایک صاحب اختیار کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور اس کے کلام کا پابند بنا کر پیش کیا، فرمایا:'' جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے۔ اور جو مجھے دیکھتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے۔ میں نور ہو کر دنیا میں آیا ہوں تا کہ جو کوئی مجھ پر ایمان لائے اندھیرے میں نہ رہے، اگر کوئی میری باتوں کو سن کر عمل نہ کرے تو میں اس کو مجرم نہیں ٹھہراتا کیوں کہ میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں، جو مجھے نہیں مانتا اور میری باتوں کو قبول نہیں کرتا اس کا ایک مجرم ٹھہرانے والا ہے یعنی جو کلام میں نے کیا ہے آخری دن وہی اسے مجرم ٹھہرائے گا کیوں کہ میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا ہے بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس کا حکم ہمیشہ کی زندگی ہے۔ پس جو کچھ اور جس طرح باپ نے مجھ سے فرمایا ہے اسی طرح کہتا ہوں ۱۵''

ابتدا میں لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف خدا کا ایک پیغمبر اور بشر سمجھتے تھے جیسا کہ انجیل کی اس عبارت سے بالکل واضح ہے:'' لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے اور خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمی کو ایسا اختیار بخشا۔ ۱۶''

لیکن یہ صورت حال زیادہ دنوں تک باقی نہ رہی، کچھ تو جہالت کی وجہ سے اور کچھ اس لئے بھی

۱۳۔ متی، باب ۱۱: ۲۵ تا ۳۰، ۱۴۔ ایضاً، باب ۱۳: ۵۸، ۱۵۔ یوحنا، باب ۱۲: ۴۴ تا ۵۰، ۱۶۔ متی، باب ۹: ۸

کہ اس وقت فلسطین رومی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور سلطنت کا مذہب اصنام پرستی تھا، چنانچہ رومی سپاہیوں اور جاہل عوام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا، ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ ایک آدمی سے وہ محیر العقول معجزات صادر ہوسکتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صادر ہورہے تھے۔ اس صورت حال نے آنجناب کو مضطر کردیا۔ آپ نے برملا مختلف مواقع پر عوام اور خواص دونوں کے اس گمراہ کن خیال کی تردید فرمائی۔

موجود اناجیل تو اس سلسلے میں خاموش ہیں کیوں کہ عیسائی خود اس گمرہی کا شکار ہیں اس لئے انہوں نے بالقصد اناجیل سے ایسی تمام عبارتوں کو حذف کردیا، جن سے ان کے مشرکانہ خیالات وعقائد کی تردید ہوتی تھی اور اس کی جگہ باپ اور بیٹے کے الفاظ اور بعض عبارتوں کو بڑھا کر اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کی بھرپور کوششیں کیں، لیکن اہل نظر سے حقیقت حال مخفی نہیں۔

اس سلسلے میں سب سے اہم کتاب انجیل برنباس ہے۔ یہ کتاب آج عیسائی دنیا میں مستند تسلیم نہیں کی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک خاص حواری برنباس کی لکھی ہوئی ہے جو آخروقت تک آپ کے ساتھ رہے اور جس نے تمام احوال وواقعات کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ اس انجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دور میں اپنی ذات کے سلسلے میں پھیلی ہوئی گمراہی سے سخت رنجیدہ وملول تھے۔ عام لوگ آپ کے متعلق جس قسم کے خیالات رکھتے تھے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

''پس جس وقت لوگوں نے یسوع کو پہچانا وہ چلانے لگے'' اے ہمارے خدا تو خوب آیا اور وہ اس کو سجدہ کرنے لگے جیسے کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ ۱۷''

یہ تو عوام کا حال تھا اس بد اعتقادی اور گمراہی سے مذہبی طبقہ بھی محفوظ نہ تھا، ایک کاہن کا یہ عبرت انگیز حال ملاحظہ فرمائیں:

'' تب یسوع تعظیم کے ساتھ کاہن کے نزدیک آیا مگر وہ اور ارادہ کررہا تھا کہ یسوع کو سجدہ کرے۔ پس یسوع نے اونچی آواز سے کہا: خبردار، اے اللہ کے کاہن تو یہ کیا کررہا ہے، خدا کا گناہ نہ کر کاہن نے جواب میں کہا: تحقیق یہود یہ تیری نشانیوں اور تعلیم کے سبب سے بے چین ہوگئی ہے۔ وہ سب آدمی کھلے طور پر کہہ رہے ہیں کہ تو ہی خدا ہے۔ ۱۸''

۱۷۔ انجیل برنباس، فصل ۹۲: ۱۷، ۱۸۔ ۱۸۔ ایضا، فصل ۹۳: ۱۶، ۱۸

کاہن کا یہ جواب سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پورے مجمع کو اس طرح خطاب فرمایا:
'' اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اے اسرائیلو! بڑی گمراہی میں پڑ گئے ہو اس لئے کہ تم نے مجھ کو خدا کہا ہے جبکہ میں ایک انسان ہوں اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ مقدس شہر پر کوئی وبانہ نازل کردے اور اس کو غیر ملک والوں کے حوالہ کردے تاکہ وہ اسے غلام بنائیں، جس شیطان نے تم کو اس بات کے ساتھ فریب دیا ہے اس پر ہزاروں لعنتیں ہیں، جس وقت یسوع نے یہ بات کہی اس نے اپنے چہرہ پر دو تھپڑ مارے۔ پس اس کے بعد بڑی ہی فریاد اور گریہ وزاری کی کیفیت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ کسی نے وہ بات نہیں سنی جو کہ یسوع نے کہی تب اسی سبب سے یسوع نے دوسری دفعہ اپنا ہاتھ چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بلند کیا: اور جب قوم کا رونا دھونا رکا تو اس نے دوبارہ کہا۔'' میں آسمان کے سامنے گواہی دیتاہوں اور تمام چیزیں جو زمین پر ہیں ان کو گواہ بناتاہوں کہ تحقیق میں ان تمام باتوں سے بری ہوں جو کہ تم نے کہیں۔ اس لئے کہ میں ایک آدمی ہوں، ایک فنا ہوجانے والی عورت سے پیدا ہواہوں اور اللہ کے حکم کا نشان ہوں۔ تمام دوسرے آدمیوں کی طرح کھانے اور سونے کی تکالیف انگیز کرتاہوں اور سردی وگرمی کی آفات برداشت کرتاہوں اس لئے جس وقت اللہ آئے گا تاکہ وہ اپنی مخلوق کا محاکمہ کرے تو اس وقت میرا کلام ایک کاٹنے والی تلوار کے مانند ہوگا جو ہر ایسے شخص کو چیر ڈالے گا جو ایمان رکھتا ہو کہ میں (یسوع) انسان سے کچھ زیادہ ہوں۔[19]''

توحید ورسالت کے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تعلیمات کو جس شخص نے خراب اور شرک سے آلودہ کیا وہ سینٹ پال ہے۔ یہ شخص یہودی تھااور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آپ کا جانی دشمن اور آپ کی تعلیمات کا منکر تھا۔ آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ شخص عیسائی ہوگیا اور دین عیسوی کی اشاعت میں سرگرم ہوگیا۔ اشاعت دین ہی کی غرض سے یہ شخص شام چلا گیا، جو اس وقت رومی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور جہاں یونانی عقائد (اصنام پرستی) کے ماننے والے آباد تھے۔ اس شخص نے نہایت چالاکی سے دین عیسوی کو مقبول بنانے کے لئے یونانیوں کے اصنام پرستی پر مبنی عقائد کو اپنے مذہب میں شامل کرلیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا جسدی ظہور قرار دیا اور وہ تمام صفات واوصاف آپ کی طرف منسوب کردیے جو صرف خدائے واحد کے لئے سزاوار تھے۔ چوں کہ

۱۹۔ ایضا فصل ۹۳: ۲ تا ۱۱

موسوی احکام وآئین کا اتباع مشرکوں کے لئے باعث تکلیف اور وجہ ناگواری تھا اس لئے شریعت موسوی کو الہام کی بنیاد پر یہ کہہ کر منسوخ کردیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔

اس شخص نے ایمان وعمل میں بھی تفریق کردی اور عقیدۂ کفار ایجاد کر کے صرف بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لانے کو نجات کے لئے کافی قرار دیا۔ غرض یہ کہ دین عیسوی کے نام پر ایک بالکل نیا دین ایجاد کرڈالا۔ عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ کفار اس نئے دین کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں عقائد کو بعد کے ادوار میں مصری اور یونانی فلسفہ کی مدد سے علمی انداز میں پیش کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تثلیث اور کفار کا عقیدہ فلسفیانہ انداز وآہنگ میں مشرکانہ تعلیمات کی صدائے باز گشت ہے اور آج تک انہی مشرکانہ عقائد کی تشریح وتاویل میں عیسائی ارباب علم عقل وفکر کی ساری قوتیں صرف کررہے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ توجہ باپ اور بیٹے کی اصطلاحات پر صرف کی گئی اور ان کو وہ معنی پہنائے گئے جس نے دین عیسوی میں تمام اعتقادی اور عملی گمراہیوں کے دروازے کھول دیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے نبی نہ تھے جنہوں نے باپ اور بیٹے کے الفاظ استعمال کیے بلکہ یہ پہلے سے انبیاء بنی اسرائیل کے صحائف میں مستعمل چلے آرہے تھے اور اس سے ان کا مقصود صرف خدا اور اس کے بندوں کے درمیان پائے جانے والے تعلق کو ظاہر کرنا تھا۔ ان کی حیثیت ایک استعارے کی سی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کے باہمی ربط وتعلق کی وضاحت کے لئے یہ استعارہ بجائے خود ناکافی تھا، لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ توریت کا یہ ایک معروف اسلوب کلام تھا۔ اس کی متعدد مثالیں آج بھی تورات کے صحائف میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ کتاب سموئل میں ہے:

''اور جب تیرے دن پورے ہوجائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سوجائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی، کھڑا کر کے اسکی سلطنت قائم کروں گا۔ وہی میرے نام کا گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔[۲۰]''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل انبیاء بنی اسرائیل جیسا کہ اوپر

۲۰۔ کتاب سموئل، ۲: ۱۲ تا ۱۴۔

بیان ہوا ، ان الفاظ کا عام طور پر استعمال کرتے تھے ، لیکن ان سے حقیقی باپ اور بیٹے کا مفہوم انہوں نے کبھی مراد نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرح کی گمراہی کے باوجود یہودیوں نے اپنے کسی نبی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حقیقی معنی میں باپ نہیں سمجھا ۔ جب وہ اپنے لیے بھی ابن کا لفظ استعمال کرتے تھے تو مجازی ہی معنی میں۔ قرآن مجید میں ان کا یہ قول موجود ہے: نحن ابناء الله (ہم اللہ کے بیٹے ہیں) اس سے ان کا مقصود جیسا کہ اس کے بعد کی آیت سے بالکل واضح ہے، خدا سے قرب خاص کا اظہار کرنا تھا نہ کہ وہ حقیقت میں خود کو خدا کی صلبی اولاد سمجھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اناجیل میں جہاں ابن اللہ کا لفظ آیا ہے وہ دراصل عبد اللہ (اللہ کا بندہ) اور جہاں ہمارا باپ اور تمہارا باپ کے الفاظ ہیں وہ ربی و ربکم (میرا رب اور تمہارا رب) ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں ابن کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہے، ایک نسبت کے لئے ، مثلاً ابن السبیل ، ابن اللیل ، ابن حج ابن حول وسنہ وغیرہ ، دوسرے عبد کے معنی میں ، مثلاً الرجل ، الفتی اور الغلام [۲۱]''

اس معاملے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسقدر محتاط تھے کہ مذہبی معنی میں بھی لفظ رب کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے جب کہ علماء یہود کے لئے اس لفظ کا استعمال عام تھا۔ ان کے اس طرز عمل پر تنقید کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: '' وہ دعوتوں میں صدر نشینی اور مجامع میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام وتحیات کو پسند کرتے ہیں اور یہ بھی خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ انہیں '' ربی'' کہہ کر پکاریں ۔ لیکن تم مجھے ربی کہہ کر نہ پکارو اس لئے کہ تمہارا رب ایک ہے مسیح اور تم سب بھائی ہو۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو رب کے لفظ سے نہ پکارو اس لیے کہ تمہارا رب ایک ہے جو آسمانوں میں ہے اور ایک دوسرے کو معلم بھی نہ کہو کیوں کہ تمہارا معلم ایک ہے یعنی مسیح ۔ تم میں سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ خدمت گزار ہے۔ [۲۲]''

مسیح علیہ السلام سے ایک شخص نے کہا: '' اے معلم صالح ، میں کون سا کام کروں تا کہ مجھے حیات جاوداں مل جائے۔'' آپ نے فرمایا: تو مجھے صالح کیوں کہتا ہے، صالح صرف ایک ہے اور وہ اللہ ہے۔ لیکن تم حیات سرمدی چاہتے ہو تو شرائع پر عمل کرو۔ [۲۳]''

حضرت مسیح علیہ السلام نے صالح کے لفظ پر اس لیے اعتراض فرمایا کہ یہ دراصل رب کا

۲۱۔ مفردات القرآن ، ص ۱۰، ۲۲۔ متی ، باب ۲۳: ۶ تا ۱۲، ۲۳۔ ایضاً ، باب ۱۹: ۱۷

ترجمہ تھا۔ ۲۴؎ لیکن آنجناب کی ان تنبیہات کے باوجود عیسائی قوم نے ''اب اور ابن'' (باپ اور بیٹا) کے الفاظ کو مجازی کے بجائے حقیقی معنی میں استعمال کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کا حقیقی مدلول قرار دیا۔ اور یہی خیال آج بھی رائج اور مقبول ہے۔

انا جیل میں وقوع قیامت کا بیان تمثیلات کے پیرائے میں ہوا ہے اور یہ بیان کسی حد تک قرآن سے ملتا جلتا ہے البتہ اس میں اس دن کی شدت وہولنا کی کو جس انداز والفاظ میں مکرر بیان کیا گیا ہے اناجیل اس سے خالی ہیں۔ انجیل کے مطابق وقوع قیامت سے پہلے بعض ارضی وسماوی آفات کا ظہور ہوگا اور اس کے بعد آسمانی نظام درہم برہم ہوجائے گا، مثلا ایک جگہ آیا ہے:

'' ان دنوں کی مصیبتوں کے بعد سورج تاریک ہوجائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ ۲۵؎''

اناجیل میں صاف طور پر لکھا ہے کہ اس دن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے، اور اچانک اس طرح آجائے گا کہ لوگ اس کی طرف سے بے خبر اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے۔ اس دن کے ہولناک مصائب سے صرف اسی آدمی کو امان ملے گی جس کا قلب اپنے خالق ومالک کی یاد سے غافل وبے پرواہ نہ ہوگا۔ مثلاً انجیل میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

''اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا مگر صرف باپ، جیسا کہ نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کے آنے کے وقت ہوگا۔ کیوں کہ جس طرح طوفان سے پہلے کے دنوں میں لوگ کھاتے پیتے اور بیاہ شادی کرتے تھے اس دن تک کہ نوح کشتی میں

۲۴۔ مفردات القرآن، ص ۱۱۔ اس مقام پر انجیل متی سے جو دو اقتباسات پیش کیے گئے ہیں وہ مولانا فراہیؒ کی کتاب فردات القرآن (ص ۱۰،۱۱) سے ماخوذ ہیں۔ مولانا یہ ترجمہ غالبا عبرانی انجیل سے کیا ہے کیوں کہ اردو اور انگریزی کے موجودہ تراجم اس سے بالکل مختلف ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

'' وہ دعوتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیوں کہ تمہارا استاد ایک ہے اور تم سب آئین میں بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیوں کہ تمہارا باپ ایک ہے جو آسمانوں میں ہے اور نہ تم ہادی کہلاؤ کیوں کہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح'' (متی، باب ۲۳: ۶ تا ۱۱) شائع کردہ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۵۶۔

اس اقتباس سے بالکل واضح ہے کہ عیسائیوں نے اناجیل میں بعض لفظی تحریفات بھی کی ہیں۔ لیکن ان کا تعلق زیادہ تر باپ اور بیٹے کے الفاظ سے ہے۔ مولانا فراہی نے مفردات القرآن (ص ۱۰) میں انجیل سے ایک عبارت نقل کر کے ترجمہ کی غلطیوں کو واضح کیا ہے جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

۲۵۔ متی، باب ۲۴: ۲۹، ۳۰۔

داخل ہوا اور جب تک طوفان آکر ان سب کو بہانہ لے گیا ان کو خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح ابن آدم کا آنا ہوگا۔ اس وقت دو آدمی کھیت میں ہوں گے ایک لے لیا جائے گا اور دوسرا چھوڑ دیا جائے گا۔ پس جاگتے رہو کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارا خداوند کس دن آئے گا۔ لیکن یہ جان رکھو کہ اگر گھر کے مالک کو معلوم ہو کہ چور رات کے کون سے پہر آئے گا تو جاگتا رہے اور اپنے گھر میں نقب نہ لگانے دے۔ اس لئے تم بھی تیار رہو کیوں کہ جس گھڑی تم کو گمان بھی نہ ہوگا، ابن آدم آجائے گا، پس وہ دیانت دار اور عقل مند نوکر کون ہے جسے مالک نے اپنے نوکروں چاکروں پر مقرر کیا تا کہ وقت پر ان کو کھانا دے۔ مبارک ہے وہ نوکر جسے اس کا مالک آکر ایسا ہی کرتا پائے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اپنے سارے مال کا مختار کردے گا، لیکن اگر وہ خراب نوکر اپنے دل میں یہ کہہ کر کہ میرے مالک کے آنے میں ابھی دیر ہے اپنے ہم خدمتوں کو مارنا شروع کردے اور شرابیوں کے ساتھ کھائے پیے تو اس نوکر کا مالک ایسے دن کہ وہ اس کی راہ نہ دیکھتا ہو اور ایسی گھڑی کہ وہ نہ جانتا ہو، آموجود ہوگا اور خوب کوڑے مار کر اس کو ریاکاروں میں شامل کرے گا۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ ۲۶''

تورات کے برخلاف اناجیل میں جزا وسزا کا اخروی تصور موجود ہے۔ اناجیل کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ روز آخرت ہر شخص کے ایک ایک قول اور ایک ایک فعل کا محاسبہ ہوگا اور بے لاگ طریقہ سے صادق وکاذب اور راست باز اور شریر انسانوں میں تفریق کردی جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

'' اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو نکمی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے۔ کیوں کہ تو اپنی باتوں کے سبب سے راست باز ٹھہرایا جائے گا اور اپنی باتوں کے سبب سے قصور وار ٹھہرایا جائے گا۔ ۲۷''

یوم آخرت کو اناجیل میں آسمانی بادشاہی ۲۸ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس آسمانی بادشاہی کی اصل حقیقت کو عیسیٰ علیہ السلام نے متعدد تمثیلات کے ذریعہ بیان فرمایا ہے، ایک تمثیل میں فرماتے ہیں:

'' آسمان کی بادشاہی اس آدمی کی مانند ہے جس نے کھیت میں اچھا بیج وبویا مگر لوگوں کے سوتے

۲۶۔ ایضا، باب ۲۴: ۳۶ تا ۵۱، ۲۷۔ ایضا، باب ۱۲: ۳۷، ۲۸۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ کا خیال ہے کہ آسمانی بادشاہی سے مراد پیغمبر آخر الزماں کی بعثت ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح کی آمد کا مقصد ہی آسمانی بادشاہی یعنی خاتم النبیین کے ظہور کا مژدہ سنانا تھا۔ اسی لیے قرآن مجید میں ان کا وصف مبشر بیان کیا گیا ہے۔ (ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد، الصف: ۶) ملاحظہ ہو مفردات القرآن، ص ۳۸،

میں اس کا دشمن آیا اور گیہوں میں کڑوے دانے بھی بوگیا پس جب پتیاں نکلیں اور بالیں آئیں تو وہ کڑوے دانے بھی دکھائی دیے۔ گھر کے مالک کے نوکروں نے آکر اس سے کہا: اے خداوند! تو نے تو اپنے کھیت میں اچھا دانہ بویا تھا؟ اس میں کڑوے دانے کہاں سے آگئے؟ اس نے ان سے کہا، یہ کسی دشمن نے کیا ہے۔ نوکروں نے اس سے کہا تو کیا چاہتا ہے کہ ہم جاکر انکو جمع کریں اس نے کہا نہیں، ایسا نہ ہو کہ کڑوے دانے جمع کرنے میں تم ان کے گیہوں بھی اکھاڑلو۔ کٹائی تک دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو اور کٹائی کے وقت میں کاٹنے والوں سے کہہ دوں گا کہ پہلے کڑوے دانے جمع کرلو اور جلانے کے لئے ان کے گٹھے باندھ لو اور گیہوں میرے کھیت میں جمع کردو۔[۲۹]"

اس تمثیل کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح نے فرمایا: "اچھے بیج کا بونے والا ابن آدم ہے اور کھیت دنیا ہے اور اچھا بیج بادشاہی کے فرزند اور کڑوے دانے اس کے شریر فرزند ہیں۔ پس جس طرح کڑوے دانے جمع کیے جاتے ہیں اور آگ میں جلائے جاتے ہیں اسی طرح دنیا کے آخر میں ہوگا، ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ سب ٹھوکر کھلانے والی چیزوں اور بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راست باز اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے، جس کے کان بند ہوں وہ سن لے۔[۳۰]"

اسی بات کو ایک دوسری تمثیل میں یوں بیان فرمایا ہے: "آسمان کی بادشاہی اس بڑے جال کی مانند ہے جو دریا میں ڈالا گیا اور اس نے ہر قسم کی مچھلیاں سمیٹ لیں اور جب بھر گیا تو اسے کنارے پر کھینچ لائے اور بیٹھ کر اچھی اچھی مچھلیوں کو تو برتنوں میں جمع کرلیا اور جو خراب ہوں انہیں پھینک دیں۔ دنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا۔ فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔[۳۱]"

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ عیسائی مذہب میں اصل اہمیت صرف ایمان کو حاصل ہے اور عمل صالح کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے اور نجات اخروی کا مدار اعمال کے بجائے صرف ایمان پر ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ یہود نے سب سے زیادہ

۲۹۔ متی، باب ۱۳: ۲۴ تا ۳۰، ۳۰۔ ایضا، باب ۱۳: ۲۴ تا ۳۰، ۳۱۔ متی، باب ۱۳: ۴۷ تا ۵۰،

اہمیت رسم ورواج کو دی تھی اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات وفلاح کا مدار رکھا ہے چنانچہ حواریوں کے خطوط اور ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عمل نہیں بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارے میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے ان دونوں کو جمع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان اور نہ تنہا عمل پر بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے۔ ۳۲''

مجھے حیرت ہے کہ مولانا جیسے متبحر عالم نے ایسی بے دلیل بات کیسے لکھ دی۔ عہد حاضر کے عیسائی علماء تو بے شک ایمان ہی پر نجات اخروی کو موقوف قرار دیتے ہیں لیکن اس بات کی تائید نہ تو اناجیل سے ہوتی ہے اور نہ ہی حواریوں کے خطوط اور ملفوظات سے۔

اناجیل میں ایمان وعمل دونوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے اور بغیر عمل صالح کے روز آخرت نجات ممکن نہیں ہے۔ ایک یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اے استاد میں کون سی نیکی کروں کہ حیات جاوداں حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا:

''تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ نیک تو ایک ہی ہے لیکن اگر حیات جاوداں چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر، اس نے کہا کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا یہ کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ اس جوان نے کہا کہ میں نے ان سب باتوں پر عمل کیا ہے۔ اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ یسوع نے اس سے کہا، اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال واسباب بیچ کر میرے پیچھے ہولے، مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہوا اور چلا گیا کیوں کہ وہ مالدار تھا۔ ۳۳''

اناجیل میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ آسمان کی بادشاہی یعنی جنت کی حیات جاوداں اسی کو حاصل ہوگی جو صرف زبان سے خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتا بلکہ عمل سے بھی اپنے صادق مومن ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ حقیقی مومن وہی ہے جو اپنے نفس کی مرضی کے بجائے خدا کی مرضی پر چلتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

''جو مجھ سے اے خداوند، اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمانی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا بلکہ جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس دنیا بہتیرے مجھ سے کہیں گے،

۳۲۔ سیرت النبی، ج ۴، ص ۸۸۲، ۳۳۔ متی، باب ۱۹: ۱۷ تا ۲۲،

اے خداوند، اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا۔ اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے؟ اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وہ نہ گرا کیوں کہ بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے ریت پر اپنا گھر بنایا اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہوگیا۔ ۳۴"

ایک دوسری جگہ فرمایا: "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں انھیں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ بھی توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ ۳۵"

سچی محبت کی بنیاد عمل یعنی فرماں برداری پر ہے۔ اگر فرماں برداری نہیں تو ایسی محبت ناقابل اعتبار ہے۔ اگر ایک آدمی اپنے والدین سے سچی محبت کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی خدمت کے لئے کہیں اور وہ انکار کردے۔ سچی محبت کی کسوٹی یہی ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کی مرضیات کا پابند ہو جائے اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ محبت ریاکاری کے سوا اور کچھ نہیں، جیسا کہ یسعیاہ نبی نے فرمایا ہے: "یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے۔ ۳۶"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متعدد خطبات میں عمل کو سچی محبت کی علامت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"اگر کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے کہ تو وہ میرے کلام پر عمل کرے گا اور میرا باپ اس سے محبت رکھے گا اور ہم اس کے پاس آئیں گے اور اس کے ساتھ سکونت کریں گے اور جو میرے کلام پر عمل نہیں کرتا وہ مجھ سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کلام تم مجھ سے سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس

۳۴۔ متی، باب ۷: ۲۱ تا ۲۷، ۳۵۔ ایضاً، باب ۵: ۱۷ تا ۲۰، ۳۶۔ ایضاً، باب ۱۵: ۸،

نے مجھے بھیجا ہے۔۳۷''

دوسری جگہ فرمایا ہے:'' اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو، اور میں باپ سے درخواست کروں گا وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمھارا ساتھ رہے گا۔۳۸''

یہی بات ایک اور جگہ تمثیل کے پیرایہ میں کہی گئی ہے:'' انگور کا حقیقی درخت میں ہوں اور میرا باپ باغبان ہے جو ڈالی مجھ میں ہے اور پھل نہیں لاتی اسے وہ کاٹ ڈالتا ہے اور جو پھل لاتی ہے اسے چھانٹتا ہے تاکہ زیادہ پھل لائے۔ اب اس کلام کے سبب سے جو میں نے تم سے کیا ہے پاک بنو تم مجھ میں قائم رہو اور میں تم میں جس طرح شاخ اگر انگور کے درخت کے ساتھ قائم نہ رہے تو وہ پھل نہیں لاسکتی اسی طرح اگر تم مجھ میں قائم نہ رہو گے تو پھل نہیں لاسکتے میں انگور کا درخت ہوں تم اس کی ڈالیاں ہو جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں وہ بہت پھل لاتا ہے کیوں کہ مجھ سے جدا ہو کر تم کچھ نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی مجھ میں قائم نہ رہے تو ڈالی کی طرح پھینک دیا جاتا ہے اور سوکھ جاتا ہے اور لوگ انھیں جمع کر کے آگ میں جھونک دیتے ہیں اور وہ جل جاتی ہے اگر تم مجھ میں قائم رہو اور میری باتیں تم میں قائم رہیں تو جو چاہو مانگو وہ تمہارے لیے ہو جائے گا میرے باپ کا جلال اسی سے ہوتا ہے کہ تم بہت پھل لاؤ اور جب ہی تم میرے شاگرد ٹھہرو گے۔ جیسی باپ نے مجھ سے محبت کی ویسی ہی میں نے تم سے محبت رکھی۔ تم میری محبت میں قائم رہو اگر تم میرے حکموں پر عمل کرو گے تو میری محبت میں قائم رہو گے جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا ہے اور اس کی محبت میں قائم ہوں۔۳۹''

حواریوں کے خطوط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان وعمل کو لازم وملزوم سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو سب سے زیادہ جس بات کی تعلیم دی وہ ایمان اور عمل صالح کی تعلیم ہے۔ حواری یعقوب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

'' ساری نجاست اور بدی کے فضلہ کو دور کر کے اس کلام کو صدق دل سے قبول کرلو جو دل میں بویا گیا اور تمہاری روح کو نجات دے سکتا ہے۔ لیکن کلام پر عمل کرنے والے بنو نہ کہ محض سننے والے جو اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ کیوں کہ جو کوئی کلام سننے والا ہے اور اس پر عمل نہ کرے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو اپنی قدرتی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے۔ اور دیکھ کر چلا جاتا ہے اور بھول جاتا

۳۷۔ یوحنا، باب ۱۴: ۲۴، ۳۸۔ ایضا: ۱۶، ۱۷، ۳۹۔ ایضا، باب ۱۵: ۱ تا ۱۰،

ہے کہ میں کیسا تھا۔ لیکن جو شخص آزادی کامل کے ساتھ شریعت کو غور سے دیکھتا ہے وہ اپنے کام میں اس لیے برکت پائے گا کہ سن کر بھولتا نہیں بلکہ عمل کرتا ہے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو دیندار سمجھے اور اپنی زبان کو لگام نہ دے بلکہ اپنے دل کو دھوکہ دے تو اس کی دینداری باطل ہے۔ ہماری خدا اور باپ کے نزدیک خالص اور بے عیب دینداری یہ ہے کہ یتیموں اور بیواؤں کی مصیبت کے وقت خبر لے اور اپنے آپ کو دنیا سے بے داغ رکھے۔ ۴۰"

حواری پطرس کا ایک خط ملاحظہ ہو: " سب کے سب ایک دل اور ایک دوسرے کے ہمدرد بنو، برادرانہ محبت رکھو، نرم دل اور فروتن بنو، بدی کے عوض بدی نہ کرو، اور گالی کے بدلے گالی نہ دو بلکہ اس کے برعکس برکت چاہو کیوں کہ تم برکت کے وارث ہونے کے لئے بلائے گئے ہو۔ ۴۱"

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں: " تم اپنی طرف سے کمال کوشش کر کے ایمان پر نیکی اور نیکی پر معرفت اور معرفت پر پرہیز گاری اور پرہیز گاری پر صبر اور صبر پر دینداری۔ اور دینداری پر برادرانہ الفت اور برادرانہ الفت پر محبت کو بڑھاؤ۔ ۴۲"

حواری یوحنا کے ایک خط میں ہے: " اگر ہم اس کے حکموں پر عمل کریں گے تو اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم اسے جان گئے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اسے جان گیا ہوں اور اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے اور اس میں سچائی نہیں۔ ہاں جو کوئی اس کے کلام پر عمل کرتا ہے اس میں یقیناً خدا کی محبت کامل ہوگئی ہے۔ ۴۳"

حواریوں کے خطوط اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ ارشادات سے یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ اناجیل میں ایمان کے ساتھ عمل صالح پر بھی زور دیا گیا ہے۔ جو عیسائی علماء صرف ایمان پر نجات کا مدار رکھتے ہیں وہ خود اپنی کتاب کے منکر ہیں۔

خاتمہ کلام

سطور بالا میں ہم نے قرآن مجید، تورات اور انجیل کے تصور ایمان و عمل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بالکل واضح ہوگیا ہے کہ اس بات میں قرآن کی تعلیم زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہے۔

۴۰۔ یعقوب کا عام خط، باب ۳: ۸ تا ۲۷۔
۴۱۔ پطرس کا پہلا عام خط، باب ۳: ۸ تا ۱۰
۴۲۔ پطرس کا پہلا عام خط، باب ۱: ۵ تا ۷
۴۳۔ یوحنا کا پہلا عام خط، باب ۲: ۳ تا ۵

تورات میں ایمان وعمل کا جو تصور ملتا ہے وہ جامع نہیں ہے۔ اس میں توحید کا تصور یقیناً موجود ہے لیکن ایمان کے دوسرے اجزا یعنی ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرۃ کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ احکام وآئین شریعت پر عمل کی تعلیم وتاکید تو ہے لیکن دین کے دو بڑے حکم، نماز اور زکوۃ کے ذکر سے اس کے صفحات خالی ہیں۔ اعمال کی جزا وسزا کا تصور مکمل طور پر دنیوی ہے۔ اخروی جزا وسزا کا اس میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

اناجیل میں ایمان کے اجزائے ترکیبی یعنی توحید رسالت اور آخرت کا ذکر ہے لیکن مجمل طور پر اور تمثیلی اسلوب میں ہے۔ توحید ورسالت کے حقیقی تصور کو باپ اور بیٹے کی اصطلاحوں نے بڑی حد تک دھندلا اور ناقابل فہم بنادیا ہے۔ اگر ان اصطلاحات کی جگہ عبد اور رب کی قرآنی اصطلاحات کو رکھ دیا جائے تو توحید ورسالت کا تصور بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ اناجیل میں تصور آخرت کو تمثیلات کے پیرایہ میں ایک سے زیادہ مقامات پر پیش کیا گیا ہے لیکن اس تصور میں وہ زور وقوت اور وضاحت نہیں جو قرآنی تصور آخرت کی خصوصیت ہے۔ جہاں تک بنیادی احکام کا تعلق ہے ان کا ذکر اناجیل میں ہے اور ان پر عمل کی تلقین بھی کی گئی ہے، لیکن تورات کی طرح ان میں بھی نماز اور زکوۃ کا ذکر غائب ہے۔ اس کے علاوہ اعمال کی جزا وسزا کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ خالص اخروی ہے۔

تورات اور انجیل کے برخلاف قرآن مجید میں ایمان وعمل کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ بہت جامع اور مفصل ہے، اس میں کسی طرح کی افراط وتفریط نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کے لئے ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اجزائے ایمان میں توحید اور معاد کے تصورات کو اس قدر شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس باب میں اس سے زیادہ شرح وتفصیل ممکن نہیں ہے۔ نیز اس تصور کو جس طرح انفس وآفاق کے عقلی دلائل سے مزین کیا گیا ہے اس سے تورات اور اناجیل کے صفحات خالی ہیں۔ رسالت کی حقیقت کو بھی اس انداز واسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اس سے شرک کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق اصولی احکام کے علاوہ نماز اور زکوۃ کی تعلیم کو، جو تمام اعمال حسنہ کی اصل واساس ہے، نہایت تاکید، تکرار اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اعمال کی جزا وسزا کا قرآنی تصور بھی مبنی بر اعتدال ہے، اخروی جزا وسزا کے ساتھ دنیوی جزا وسزا کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن نے دین قیم کے حقیقی خط وخال کو جس طرح عقل اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ کرکے مفصل اور بتکرار پیش کیا ہے

اس طور پر تورات اور انجیل میں دین حق کا تعارف نہیں کرایا گیا۔

ایمان وعمل کے باب میں قرآن کی اس حکیمانہ تعلیم کے باوجود یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ عصر حاضر کے مسلمانوں کا فکری اور عملی رویہ افسوس ناک ہے۔ وہ غیر شعوری طور پر یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، نہ حقیقی ایمان باقی ہے اور نہ اعمال صالحہ، صرف چند مذہبی اعمال ورسوم کی ظاہری ادائیگی کا نام دین رکھ لیا گیا ہے۔اس سے بھی زیادہ الم ناک بات ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد شرک جلی میں مبتلا ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار